خصوصی تجزیہ

نفاذِ شریعت ایکٹ پر اعتراضات کا
----------ایک علمی محاکمہ----------

قسط (۳)

پروفیسر خورشید احمد

کیا عدالتوں کو شریعت کے مطابق فیصلے کرنے کا یا پارلیمنٹ کے منظور کردہ قوانین کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھنے کا اختیار دینے' یا عدالتوں میں علماءِ دین کو بحیثیت جج یا مشیر مقرر کرنے کا دروازہ کھولنے سے ایسی ملا کریسی قائم ہو جائے گی جو بنیادی حقوق' جمہوریت' عورتوں کی حیثیت اور دیگر امور میں ہمارے معاشرہ کو پیچھے لے جائے گی' اور تاریکی اور ظلم کی رات قوم پر مسلّط ہو جائے گی؟ کیا پارلیمنٹ جو قرآن و سنّت کے خلاف قانون نہ بنانے کی پابند ہے اور رائج قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کی بھی' کسی نقد و احتساب کے بغیر ان فرائض کو کسی درجہ میں بھی تشفی بخش طور پر انجام دے سکی ہے' یا مستقبل قریب میں دے سکے گی؟ دوسرے الفاظ میں کیا نفاذِ شریعت کا کام کلیتاً" پارلیمنٹ پر چھوڑ دینا چاہیے اور وہ اس مقصد کے لئے کافی ہے' جیسا کہ شریعت بل کے بعض مخالفین کہتے ہیں؟ یہ سوالات بھی غور و فکر کے محتاج ہیں۔ اس ضمن میں ماضی کا واقعاتی جائزہ بھی مفید ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ مختلف دساتیر میں (یعنی ۱۹۵۶ء' ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے دساتیر میں) قرآن و سنّت کے خلاف قانون سازی پر پابندی عائد کی گئی لیکن پارلیمنٹ کے ذریعہ قرآن و سنّت کے مطابق قانون سازی کا عمل رُونما نہ ہوا۔ پھر ۱۹۸۰ء میں فیڈرل شریعت کورٹ قائم ہوئی۔ یہ ایک مثبت اقدام تھا۔ گو اس کورٹ کی تشکیل اور اس کے اختیارات دونوں میں متعدد خامیاں اور نقائص ہیں' لیکن اس کے باوجود یہ پہلا ادارہ ہے جس نے عملاً ملکی قوانین کو اسلام کے احکام سے ہم آہنگ کرنے کا کام سنجیدگی سے شروع کیا۔ ملک کے تقریباً" ۳ ہزار قوانین میں سے

تقریباً ۱۴۰۰ کا جائزہ اس عدالت نے اپنے ان اختیارات کے تحت لیا جو دستور نے اسے استغاثہ یا اپنی صوابدید (SUO MOTTO) پر غور و جائزہ کے لیے دیے ہیں۔ عدالت نے ان میں سے ۱۵ قوانین کو مکمل طور پر قرآن و سنّت کے منافی قرار دیا ہے۔ اور ۳۰ میں جزوی ترامیم تجویز کی ہیں۔ اس کے علاوہ اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اپنے طور پر یہی کام کیا ہے اس نے ۱۹۸۵ء تک پارلیمنٹ کو اکتالیس (۴۱) رپورٹیں پیش کی ہیں جن میں تقریباً ۵۰۰ قوانین کا جائزہ لیا گیا ہے۔

لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ پارلیمنٹ نے ۱۹۸۵ء سے لیکر آج تک ان تمام رپورٹوں کی روشنی میں کوئی قابلِ ذکر قانون سازی نہیں کی۔ فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلوں کے دباؤ کے تحت صرف چند قوانین میں جزوی ترامیم منظور کی گئی ہیں اور یہاں بھی دو درجن سے زیادہ قوانین کے سلسلہ میں حکومت سپریم کورٹ میں اپیل کے لیے چلی گئی ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے مرتب کردہ نئے مسودہ ہائے قانون' یا مروجہ قوانین میں مجوزہ ترامیم پر اب تک غور و فکر کا آغاز بھی نہیں ہوا ہے۔ پارلیمنٹ کی اس کارکردگی کے برعکس اگر قوانین کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کا کوئی کام ہوا ہے تو وہ صرف فیڈرل شریعت کورٹ کے ان فیصلوں کی بناء پر ہوا ہے جو دستور کی رو سے نافذ العمل تھے۔

ہماری نگاہ میں یہ بھی ایک سانحہ سے کم نہیں ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ اور ملک کی اعلیٰ عدالتوں نے شریعت کی بالادستی کے قیام کے لئے جو کوششیں کی ہیں ان کا نہ عوام میں کوئی ادراک ہے اور نہ صحافت اور پارلیمنٹ میں اس کی کوئی گونج سنائی دیتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ نام نہاد ترقی یافتہ اور لبرل حضرات جن کی زبانیں انسانی حقوق کی بات کرتے نہیں تھکتیں وہ بھی خود بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کے سلسلہ میں ان سنہری خدمات کے بارے میں خاموش ہیں جو فیڈرل شریعت کورٹ نے احکامِ اسلام کی بنیاد پر انجام دی ہیں۔

اس عدالت کے فیصلوں کے ذریعے سرکاری ملازمین بشمول فوجی ملازمین اور غیر سرکاری اداروں کے کارکنوں کو یہ اسلامی حق ملا کہ انہیں دفاع کا موقع دیئے بغیر کسی بھی ملازمت سے فارغ نہیں کیا جا سکتا' اسی طرح ۲۵ سال کی ملازمت کے بعد جبری ریٹائرمنٹ کے اختیار کو اسلامی بنیادوں پر مقیّد کیا گیا۔ بدنامِ زمانہ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی نینس جس کی ہر سیاسی گروہ نے مذمّت کی تھی اور برسرِ اقتدار آکر اس کی حفاظت کی تھی' اس کو ختم کرنے کا سہرا بھی فیڈرل شریعت کورٹ کے سر ہے۔ اس قانون کو فیڈرل شریعت کورٹ نے خلافِ اسلام قرار دیا۔ اور

پھر سپریم کورٹ کی شریعت بنچ کے فیصلہ کے تحت ۱۹۸۸ء میں یہ کالا قانون ختم ہوا۔ اسی طرح خود قانونِ فوجداری میں قتل کے سامراجی قانون کا خاتمہ اور اسلام کے قانونِ قصاص کا نفاذ کسی پارلیمنٹ کی سعی و جدوجہد کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ کی شریعت بنچ کی مساعی کے نتیجہ میں نافذ ہوا ہے۔

پاکستان کی عدالت عالیہ کی خدمات صرف فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلوں تک محدود نہیں۔ سپریم کورٹ نے ان ادوار میں بھی جب ملک فوجی آمریت کی گرفت میں تھا اور دستور سے محروم تھا' اپنے فیصلوں میں واضح الفاظ میں اس امر کا اعلان کیا تھا کہ قرار دادِ مقاصد دستور کی عدم موجودگی میں بھی ملک کے اعلیٰ تر قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ پھر جب ۱۹۸۵ء میں قراردادِ مقاصد کو دستور کا حصہ بنا دیا گیا (دفعہ ۲۔الف) تو سندھ اور پنجاب دونوں کی عدالت عالیہ کے ججوں نے اپنے کئی فیصلے قرار دادِ مقاصد کی روشنی میں مروّجہ قانون کے خلاف کیے اور قانون کے ان حصّوں کو دستور کے خلاف قرار دیا جو قرار دادِ مقاصد سے متصادم ہیں۔ اعلیٰ عدالتوں نے گزشتہ گیارہ سال میں شریعت کے عملی نفاذ کی نئی راہ کھولنے کی کوشش کی ہے اور بحیثیتِ مجموعی ان کا ریکارڈ بہت نمایاں اور روشن ہے۔

یہی وہ پس منظر ہے جس کی روشنی میں شریعت ایکٹ کے تحت عدالتوں کو اختیارات تفویض کیے جانے کی اہمیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے نفاذِ شریعت کے دو ہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ ملک کی پارلیمنٹ قانون سازی کرے ' اور جس حد تک وہ قانون کو مدوّن (Codify) کر دے شریعت کے قوانین اس حد تک نافذ ہو جائیں۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۸۰ء تک نفاذِ شریعت کا صرف یہی ایک راستہ تھا' اور اس پورے دور کا ریکارڈ بڑا ہی مایوس کن ہے۔ ۱۹۷۹ء میں صدر ضیاء الحق صاحب نے آرڈی نینس کے ذریعہ چند قوانین کو نافذ کیا۔ ان میں چار حدود آرڈی نینس' ایک آرڈی نینس جس کے ذریعہ دُرہ کی شرعی سزا کے نفاذ کا طریقہ بیان کیا گیا ہے' اور ایک آرڈی نینس زکوٰۃ اور عشر کے نفاذ کے بارے میں تھا۔ ایک دستوری ترمیم کے ذریعہ فیڈرل شریعت کورٹ کے قیام کے بعد' جس نے ۱۹۸۰ء میں کام شروع کیا' نفاذِ شریعت کے عمل میں عدالت کی شرکت نے ایک نئی اور واضح شکل اختیار کی۔ فیڈرل شریعت کورٹ کو قانون سازی کا کوئی اختیار حاصل نہیں' البتہ دستور کے تحت اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ خود اپنی صوابدید پر' یا کسی شہری یا مرکز یا صوبائی حکومت کی درخواست پر' ملک کے رائج الوقت قوانین میں سے کسی ایسے قانون کا جو اس کے دائرۂ اختیار میں آتا ہو (دستور' مسلم پرسنل لاء' ضابطہ

فوجداری اور ضابطۂ دیوانی اس عدالت کے اختیار سے مستقلاً باہر ہیں اور مالی اور محصولاتی قوانین دس سال کے لئے اس کے دائرۂ کار سے باہر تھے۔ یہ استثنیٰ دس سال پورے ہونے پر جون ۱۹۹۰ء سے ختم ہو چکا ہے) جائزہ لے سکے اور اس قانون یا قانون کے اس حصّہ کو، جو اس کی رائے میں قرآن و سنّت کے احکام سے متصادم ہے، خلافِ شریعت ہونے کی بناء پر کالعدم قرار دے سکے۔ البتہ عدالت کے لئے لازم ہے کہ متعلقہ حکومت کو اپنا مؤقف پیش کرنے کا موقع دے، اپنے فیصلے میں وہ دلائل لکھے جن کی بناء پر وہ قانون یا اس کے کسی حصّہ کو شریعت کے خلاف پاتی ہے اور قانون ساز ادارے کو مہلت دے تاکہ وہ متعلقہ قانون میں تبدیلی کر سکے۔ بصورتِ دیگر جس تاریخ کا عدالت نے تعیّن کیا ہے اس تاریخ کو وہ قانون یا قانون کا وہ حصّہ جسے عدالت نے خلافِ شریعت قرار دیا ہے کالعدم ہو جائے گا اور کتابِ قانون کا حصہ نہیں رہے گا۔

اس طرح فیڈرل شریعت کورٹ کے قیام کے بعد نفاذِ شریعت کا ایک دوسرا دروازہ کھل گیا۔ اور جس طرح امریکہ، ہندوستان، پاکستان اور دنیا کے دوسرے ان تمام ممالک میں جہاں تحریری دستور کی رو سے عدالتِ عالیہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ دستور سے متصادم قوانین کو کالعدم کر سکیں، اسی طرح پاکستان کی فیڈرل شریعت کورٹ اور اعلیٰ عدالتوں کو بھی یہ اختیار مل گیا کہ وہ احکامِ شریعت کی بنیاد پر ملکی قوانین کا جائزہ لیں اور جہاں انہیں شریعت سے متصادم پائیں اس حد تک ان قوانین کو کالعدم کر سکیں۔ جیسا ہم نے دیکھا ان اختیارات سے نہ صرف نفاذِ شریعت کی راہ میں پیش رفت ہوئی، بلکہ بنیادی حقوق اور آزادیوں اور جمہوریت کے ضمن میں بھی تاریخی فیصلے ہوئے۔ اور یہ ناگزیر تھا، اس لیے کہ شریعت سے بڑھ کر تو کوئی چیز بھی بنیادی حقوق اور آزادیوں اور جمہوریت کی محافظ نہیں ہو سکتی۔

اس طرح یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ شریعت ایکٹ کے تحت عدالتوں کو جو کچھ بھی اختیار دیے گئے ہیں ان سے نہ صرف پارلیمنٹ کی بالادستی مجروح نہیں ہوتی، بلکہ بنیادی حقوق اور جمہوریت کو بھی زیادہ مستحکم تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

ہم یہاں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے بہترین طریقہ کونسا ہے ——— مدون قانون کا یا غیر مدون قانون بذریعہ عدالت کا۔ دونوں طریقوں میں جہاں کچھ مفید پہلو ہیں وہیں ان میں کچھ مشکلات بھی ہیں، ہماری نگاہ میں اب وقت نظری بحثوں کا نہیں عملی اقدام کا ہے۔ اور اس پہلو سے جہاں یہ ضروری ہے کہ اسلامی قانون کو جلد از جلد مدوّن کیا

جائے اور پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیاں اس کام کو اولیت دیں وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ ملک کے تمام شہریوں کو سامراجی دور کے ان قوانین سے جلد از جلد نجات دلائی جائے جو خدا کی بغاوت پر مبنی اور سامراجی مقاصد کو پورا کرنے والے ہیں اور جس حد تک معاملات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہو سکتے ہیں اس کا دروازہ کھولا جائے۔ جس طرح عدالتیں غلطی کر سکتی ہیں اسی طرح پارلیمنٹ بھی منزہ عن الخطاء نہیں ہے۔ عدالت کے فیصلے بھی کھلے میدان میں ہوتے ہیں۔ اگر کہیں کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اعلیٰ عدالتیں اس کی تصحیح کر سکتی ہیں۔ اہلِ علم بھی بحث و گفتگو کے ذریعہ شریعت کی بہتر تفہیم میں بہترین کردار ادا کر سکتے ہیں۔ شریعت کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ ہر ممکن راستہ کو اختیار کیا جائے اور اس سلسلہ میں جہاں بھی موانع پائے جاتے ہیں ان کو دور کیا جائے اور پارلیمنٹ اور عدالتوں کو متحرک کر کے اس سلسلہ میں بڑی مفید خدمت انجام دی جا سکتی ہے۔

یہاں ضمناً" اس اہم بات کی طرف بھی توجہ دلانا مفید ہو گا کہ اس وقت ملک میں جو تقریباً" ۴ ہزار قوانین رائج ہیں ان میں سے ۹۵ فیصدی انگریزی دورِ اقتدار میں کتابِ قانون کا حصّہ بنے۔ آزادی کے دور میں قانون سازی کا کام بہت ہی سُست رہا ہے اور ہمارے قانون ساز ادارے آزادی کے تقاضوں کو پورا کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔ ایک طرف ترقی پسندی اور اکیسویں صدی میں داخلہ کی باتیں ہوتی ہیں اور دوسری طرف انیسویں صدی کے سامراجی دور کے قوانین کو سینے سے لگایا ہوا ہے۔ نفاذِ شریعت ایکٹ اس سامراجی قانونی ورثہ کے لئے ایک چیلنج اور تازیانہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جلد از جلد غلامی کے اس ورثہ سے نجات ملے' ایک آزاد' اسلامی اور رفاحی ریاست کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ دورِ غلامی کے قوانین پر جلد از جلد نظرِ ثانی ہو اور اسلام کے اصولِ عدل و انصاف اور دورِ جدید کے اصلاحی اور فلاحی تجربات کو سامنے رکھ کر کتابِ قانون کو از سرِ نو مدوّن کیا جائے۔ یہی وہ چیز ہے جو قوم کو اکیسویں صدی کے خیر مقدم کے لئے تیار کر سکتی ہے۔

سامراجی دور کے قوانین اور اسلام اور آزادی کے تقاضوں میں تصادم کی صرف ایک مثال پر ہم یہاں اکتفاء کرتے ہیں۔ پولیس ایکٹ جو ۱۸۶۱ء میں نافذ ہوا اس کا مقصد اور مزاج یہ ہے کہ ایک سامراجی حکومت مقامی آبادی کو کس طرح اپنے قابو میں رکھے اور یہاں اٹھنے والی آزادی کی ہر تحریک کو کس طرح دبا سکے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ انیسویں صدی میں خود دولت برطانیہ میں پولیس کے قانون کے دو ماڈل تھے۔ ایک وہ جو انگلستان میں رائج تھا اور جس میں پولیس اور